رئیس احمد جعفری

امام مالک کی فقہی حیثیت پر ایک نظر

جس طرح ہر بڑے آدمی کے بارے میں منقبت اور مذمت کا اظہار کرنے والے گروہ حد انتہا کو پہنچے ہوئے ہوتے ہیں، اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ امام مالک کے بارے میں بھی دونوں گروہ حد انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ مثلاً عبدالرحمٰن العمری اپنے ایک رویا کی بنا پر انہیں معصوم قرار دیتے ہیں[1]۔ دوسری طرف ابن حزم جیسے لوگ وجوب مخالفت کا فیصلہ صادر کر دیتے ہیں۔ ابن حزم کا قول ہے:

"ابوحنیفہ اور مالک کی مخالفت کرنا امت اسلامیہ پر فرض ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں کے فتاویٰ کی بنیاد دو میں سے ایک پر ہو سکتی ہے۔ یا نص قرآن و سنت سے موافقت یا مخالفت۔ پس اگر ان دونوں کا یا ان دونوں میں سے کسی ایک کا کوئی فتویٰ نص قرآن و سنت سے موافقت رکھتا ہے تو اس کا اتباع کرنے والا قرآن و سنت کی اتباع کرتا ہے نہ کہ ابوحنیفہ یا مالک کی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے اتباع کا حکم ہمیں قطعاً نہیں دیا ہے۔ اور اگر کوئی ان دونوں کی اتباع کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے۔ لہٰذا کسی شخص کے لیے بھی اس شخص کی اتباع حلال نہیں جو نص قرآن و سنت کا مخالف ہو، اور اس کے فتویٰ کی بنیاد نص قرآن و سنت نہ ہو۔"

کس آسانی سے عصمت مالک وجوب مخالفت کی منزل تک پہنچ گئی۔ اصل بات یہ ہے کہ ابن حزم انکار تقلید میں اپنی حدت وحمیت کے اعتبار سے بہت زیادہ متشدد ہیں۔ ان کا قول ہے:

"ہم بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تقلید کو بالکل حرام کر دیا ہے۔ اور اس تحریم میں خدائے بزرگ و برتر نے عامی و عالم کی کوئی تخصیص روا نہیں رکھی۔ اللہ تعالیٰ کا مخاطب ہر بندہ ہے لہٰذا تقلید ہر شخص پر حرام ہے۔ خواہ وہ عامی ہو یا عالم۔ کوئی پردہ نشین عورت ہو یا پہاڑ

---

(۱) عیاض: (الترتیب) ورق ۲۲ قلمی نسخہ (دار الکتب المصریہ)۔ (۲) الاحکام: ج ۴ ص ۲۲۸

کی کسی دور دراز گھاٹی میں بکریاں چرانے والا، اور خواہ وہ کیسا ہی عالم متبحر کیوں نہ ہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، تقلید سب پر حرام ہے"(۱)۔

لیکن منقبت اور مذمت کی اس افراط و تفریط سے قطع نظر کرنے کے بعد بھی کچھ مراحل ہمارے سامنے آتے ہیں۔ جو نسبتاً معتدل پہلو لیے ہوئے ہیں۔ مثلاً حضرت امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ کوفہ کے لوگوں نے ان سے استدعا کی کہ وہ کسی آدمی کو نامزد کر دیں جس کے پاس وہ ان کی وفات کے بعد امور دین سے متعلق مسائل دریافت کرنے حاضر ہوا کریں۔

اس استدعا کے جواب میں جعفر صادق[۲] نے مالک کو اختیار کیا اور فرمایا:

"تمہیں چاہیئے کہ قول مالک کی پیروی کیا کرو"۔

اس کے بعد ان کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا

"میں نے مالک کو بارہا آزمایا، اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ فقیہہ ہیں۔ فاضل ہیں، متبع ہیں، مرید ہیں۔ نہ وہ نفس کے بہکاوے میں آسکتے ہیں۔ نہ حاجت و ضرورت انہیں راہ صواب سے بھٹکا سکتی ہے"(۲)۔

دوسری طرف ہمیں یہ تصریحات بھی ملتی ہیں کہ دوسرے لوگ بھی امام مالک سے افضل تھے۔ یا کم از کم یہ کہ فلاں فلاں شخص پر مالک کوئی افضلیت نہیں رکھتے تھے۔ یا مثلاً یہ کہ سعید بن المسیب مالک کے مقابلہ میں افقہ اور افضل تھے۔ اور یہ قول کہ اگر رائے کوئی علم ہے تو ابوحنیفہ اور ابو یوسف اور محمد بن الحسن مالک کے مقابلہ میں اعلم تھے"(۳)۔

ان دونوں متقابل آراء و افکار سے وہ رنگ زیادہ صاف اور نمایاں نظر آنے لگتا ہے جو امام مالک کے بارے میں لوگوں پر چھایا ہوا تھا۔

ابن حزم نے شافعی، مالک اور ابوحنیفہ کا موازنہ کرتے ہوئے جو تفریق کی ہے وہ بہت دلچسپ اور قابل غور ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"ابوحنیفہ اور مالک خدا ان پر رحم کرے اجتہاد کیا کرتے تھے اور وہ اجتہاد پر مامور بھی تھے کیونکہ مسلمان پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے دین میں اجتہاد سے کام لے۔ چنانچہ ان دونوں نے

---

(۱) الزواوی: (مناقب مالک) ص ۱۰ (۲) الاحکام: جلد ۶ ص ۱۲۶ (۳) الاحکام، جلد ۶ ص ۱۵۱

اجتہاد کر کے ترک تقلید میں اسلاف کی پیروی کی لیکن جن لوگوں نے ان کی پیروی کی وہ خاطی اور بدعتی تھے۔ ان کی پیروی کر کے اللہ عزوجل کی اور سنت نبی علیہ السلام اور اجماع مسلمین کی انہوں نے مخالفت کی۔ یہ لوگ گمراہ بھی ہیں اور گمراہ کن بھی۔ رہے شافعی کے مقلد تو معلوم ہونا چاہیئے کہ شافعی نے ایسا اصول بنایا تھا جو خطا کے مقابلہ میں صواب کا زیادہ حامل تھا۔ بس ان کے مقلد اپنی اتباع کا عذر معقول رکھتے ہیں[1]۔"

ابن حزم کی اس تحریر سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ ایک طرف تو وہ تقلید پر نہایت سخت اور انیف حملے کرتے ہیں۔ دوسری طرف مقلدین شافعی کو معاف کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کے نزدیک تقلید نام ہی ضلال و اضلال کا ہے۔

ابن حزم کے مقابلہ میں دوسری انتہا پر ہمیں قاضی عیاض نظر آتے ہیں۔ جنہوں نے اپنی کتاب ترتیب المدارک میں ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے "مذہب مالک کی ترجیح اور اس کے وجوب تقلید کی حجت اور دوسرے ائمہ پر مالک کی تقدیم" اور یہ باب کئی فصول پر مشتمل ہے۔

ابن حزم انکار تقلید میں حد انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ اور عیاض وجوب تقلید کے احتجاج میں دوسرے سرے پر نظر آتے ہیں حالانکہ ان دونوں میں زمان و مکان کا کافی فرق ہے۔ ابن حزم اندلس میں رہتے ہیں اور عیاض سبتہ میں اور ان دونوں کی وفات میں کم و بیش اسی سال کا فرق ہے۔ لیکن افراط و تفریط سے کوئی بھی نہ بچ سکا۔ بات یہ ہے کہ نفوس بشریہ کے لیے یہ بہت دشوار ہے کہ وہ حریت فکر و عمل سے کام لیں اور دوسرے مؤثرات سے متاثر نہ ہوں۔ ایسے لوگ ہوتے ہر زمانہ میں ہیں لیکن بہت کم۔ بہرحال دونوں قسم کی یہ رائیں سامنے رکھ کر قدر مشترک کے طور پر کسی نتیجہ تک پہنچنا دشوار نہیں رہ جاتا۔ اور امام صاحب کی فقہی شخصیت اور علم فقہ کے سلسلہ میں ان کے اسلوب و نظر کی بنیاد افراط و تفریط کے ہجوم میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

مذکورہ بالا نظریات و اقوال کی روشنی میں مالک کے علم دین کی کمیت و کیفیت پر بھی ایک نظر ڈالنی چاہیئے۔

مصادر مختلفہ کے مطالعہ سے یہ نقش زیادہ مکمل اور واضح ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھیے کہ عمرؓ

---

(۱) الاحکام: ج ۲ ص ۱۲۰

بن الخطاب کے بعد امام الناس زید بن ثابت تھے۔ اور زید کے بعد عبداللہ بن عمر۔ جن لوگوں نے زید سے علم حاصل کیا اور ان کی رائے کی پیروی کی اور ان کے مسلک پر قائم رہے۔ ان میں قبیصہ، خارجہ، عبیداللہ بن عبداللہ، عروہ، ابوسلمہ، القاسم بن محمد، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، سعید، ابان بن عثمان، اور سلیمان بن یسار خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ پھر ان مذکورہ بالا اصحاب کا علم تین آدمیوں یعنی ابن شہاب، بکیر بن عبداللہ بن الاشج اور ابوالزناد میں مرتکز ہو گیا۔ پھر ان سب کا علم مالک کی ذات میں مجتمع ہو گیا"[1]

اس تسلسل کو اگر ہم مختصر کریں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ مالک سلیمان بن یسار کے مذہب پر عمل کرتے تھے اور سلیمان عمر بن الخطاب کے قول پر عمل پیرا ہوتے تھے"[2]

ہر صحابی کے پاس علم تھا لیکن بقدر ظرف۔ صحابہ کے بعد تابعین آئے۔ ان کا تفقہ علم صحابہ پر مبنی تھا۔ وہ اپنے فتووں میں اس حد سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ابن حزم لکھتے ہیں:

" تابعین کی تقلید اس لیے کی جاتی ہے کہ انہوں نے اخذ علم صحابہ سے کیا تھا۔ ان کی مرویات بھی صحابہ کرام ہی سے منقول تھے۔ مثلاً اہل مدینہ ابن عمر کے فتاویٰ کا اتباع کرتے تھے۔ اور اہل مکہ اکثر ابن عباس کے فتووں پر عمل درآمد کے خوگر تھے"[3]

ابن حزم کی اس تفسیر سے بہ آسانی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس زمانہ کی تقلید جو تابعین کی روایت اور صحابہ کے فتویٰ پر مبنی تھی بعد کی اصطلاحی تقلید سے قطعاً جداگانہ اور اپنی روح اور حقیقت کے اعتبار سے قطعاً مختلف تھی۔ یہ تقلید فہم کے ساتھ تھی۔ جمود کے ساتھ نہیں جو عقل کو معطل کر دیتی ہے اور مقلد اپنے امام کی دلیل و بیان کو خواہ سمجھے یا نہ سمجھے واجب التقلید سمجھنے لگتا ہے۔

مذکورہ بالا معلومات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علم ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتا رہا۔ چنانچہ تابعین کے بعد یہ فقہائے امصار میں منتقل ہو گیا۔

مثلاً کوفہ میں ابوحنیفہ، سفیان، اور ابن ابی لیلیٰ۔

مکے میں: ابن جریج

مدینہ میں: مالک اور ابن الماجشون۔

بصرہ میں: عثمان البتی اور سوار۔

---

(۱) عیاض: ترتیب، ورق ۲۰ قلمی نسخہ (۲) المصدر السابق ورق ۲۷، دمشلہ فی الدیباج ص ۲۴ (۳) المصدر السابق

شام میں: اوزاعی

مصر میں: اللیث

ان میں سے ہر ایک نے اپنے شہر کے تابعین سے علم حاصل کیا جو صحابہ سے ماخوذ تھا۔[1] اور اگر ان سے کوئی چیز نہ ملی تو اجتہاد سے کام لیا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر بیئت میں حالات کے مطابق اجتہاد کا سلسلہ جاری رہا۔

مالک کے متعلق ہم کہہ چکے ہیں کہ وہ جس بیئت میں زندگی بسر کر رہے تھے اس کے مطابق ان کا مسلک یہ تھا کہ اتباع کو ترجیح دیں اور ابتداع کو مکروہ سمجھیں اور سنن ماضین کے دائرہ سے باہر قدم نہ نکالیں۔[2] یہی ان کی فقہ تھی۔

ابن خلدون امام صاحب کو فقہاء سلف کا ایک بہت بڑا نمونہ خیال کرتے ہیں۔[3] ان کا مطلب سلفیت سے غیر مبتدع کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ یعنی وہ اپنے پیش رو اکابر کے طریقہ پر چلا کرتے تھے۔

ابن خلدون نے مغرب میں انتشار (توسیع واشاعت) مذہب مالکی کی جو توجیہ کی ہے وہ بھی قابل مطالعہ ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"اہل مغرب و اندلس اہل حجاز کی طرف زیادہ مائل تھے۔ کیونکہ ان پر بھی بداوت غالب تھی۔ اور اہل عراق جس حضارت کے حامل تھے اس سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔

اجتماعی اور عقلی اعتبار سے عراق کی بیئت اندلس کی بیئت سے مختلف تھی۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ حضارت کے اثرات فارغ البالی اور مظاہر حیات کی صورت میں عراق اور مغرب اور اس کے پڑوسی اندلس میں کم و بیش زیادہ یکساں تھے۔ لیکن عقلیاتی اور نفسیاتی اعتبار سے عراق کا درجہ زیادہ اونچا تھا۔

مذکورہ بالا اقوال و تصریحات کی روشنی میں جہاں فقہ و رائے کا تدریجی ارتقاء اور ان دونوں کے بعض کا عہد بہ عہد تغیر نظر کے سامنے آجاتا ہے وہاں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ تعبیر کا تغیر اور فرق کیا ہے۔ لہذا اگر امام صاحب کو سلفی الفقہ مانا جائے یا اصحاب حدیث میں شمار کیا جائے تو کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ جیسا کہ اقدمین میں سے کئی نے کیا ہے۔ اسی طرح اگر امام صاحب کو اصحاب رائے بھی مانا جائے[4] ——— بشرطیکہ

---

(۱) ابن حزم: (الاحکام) جلد ۲ ص ۱۲۸ (۲) ابن فرحون: (الدیباج) ص ۱۶ (۳) التاریخ: جلد ۲ ص ۴۱۴ (۴) المقدمہ ص ۳۹۲
(۵) ابن قتیبہ: (المعارف) ص ۱۲۰

اس زمانہ میں رائے کے جو معنی تھے وہ پیشِ نظر رہیں ——— تو بھی یہ بات بعید از حقیقت نہ ہوگی ۔ جیسا کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ

"امام مالک رائے اور آثار میں امیر المومنین تھے اور قیاس میں اعرف الناس ۔"
(خولی کی کتاب "مالک" سے ترجمہ)

اسلام اور رواداری

مصنفہ مولانا رئیس احمد جعفری

قرآن کریم اور حدیثِ نبوی کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ کیا حسنِ سلوک روا رکھا ہے اور انسانیت کے بنیادی حقوق ان کے لیے کس طرح اعتقاداً اور عملاً محفوظ کیے ہیں ۔

حصہ اول صفحات ۴۳۲ ، قیمت ۷/۴ روپے حصہ دوم صفحات ۴۷۴ ، قیمت ۷/۸ روپے

تاریخِ جمہوریت

مصنفہ شاہد حسین رزاقی

قبائلی معاشروں اور یونانِ قدیم سے لے کر عہدِ انقلاب اور دورِ حاضرہ تک جمہوریت کی مکمل تاریخ جس میں جمہوریت کی نوعیت و ارتقاء، مطلق العنانی اور جمہوریت کی طویل کش مکش، مختلف زمانوں کے جمہوری نظامات اور اسلامی و مغربی جمہوری افکار کو بڑی خوبی سے واضح کیا گیا ہے ۔

صفحات ۵۰۶ ۔ قیمت ۸/- روپے

ملنے کا پتہ : سیکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ ۔ کلب روڈ ۔ لاہور